استحکام پاکستان بہتر دفاعی جنگی حکمت عملی مین پوشیدہ ہے

﴿غزوات نبویؐ کے نظائر کی روشنی میں رہنما اصول﴾

پروفیسر زیبا افتخار

لیکچرار شعبہ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی

حالیہ چند سالوں میں علوم وفنون کی ترقی سے جنگ کے طریقوں اور اصولوں میں اتنا کچھ انقلاب آ گیا ہے کہ قدیم زمانے کی لڑائیاں، عسکری مہارتوں کے باوجود آج کے دور میں عجیب وغریب معلوم ہوتی ہیں۔ ہتھیاروں میں اتنی ترقی ہو چکی ہے کہ قدیم ہتھیار صرف عجائب خانوں میں سجائے جانے کے قابل رہ گئے ہیں۔ پہلے فوجی لشکر ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد پر مشتمل ہوتا تھا۔ آج انتہائی تباہ کن جنگیں، چند اشخاص اور چند مشینوں کے ذریعہ لڑی جا سکتی ہیں اور چند منٹوں میں پورے کے پورے ملک صفحہ ہستی سے مٹائے جا سکتے ہیں۔ انہی وجوہات کی بناء پر یہ خیال عام ہے کہ قدیم زمانے کی جنگوں کا تذکرہ چاہے مورخین کے لئے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو، ان کا عملی فائدہ آج کچھ بھی نہیں۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو یہ خیال درست نہیں۔ ایک غیر مسلم معاشرہ یعنی برطانیہ میں جب حربیات کے طالب علم کو پہلا درس دیا جاتا ہے تو وہ کچھ یوں ہوتا ہے۔

> ''فوجی تاریخ کو بلاشبہ عسکری تعلیم کے مطالعہ میں سب سے اہم جگہ ملنی چاہئے۔ کیونکہ اصول جنگ کا صحیح مفہوم اور ان کے اطلاق کو سمجھنے، اور یہ معلوم کرنے کا کہ ہر فوجی کارروائی میں انسانی فطرت ہی سب سے زیادہ موثر حصہ لیتی ہے، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے''(۱)

یہ حقیقت ہے کہ انسانی فطرت نہیں بدلتی، وہ محرکات جن کی وجہ سے عموماً جنگیں پیش آجاتی ہیں وہ بھی تقریباً ہر دور میں یکساں ہی رہے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہر زمانے میں جنگی اصول اور قواعد بھی یکساں رہے ہیں یا عسکری ہتھیاروں کی طرح ان میں بھی تغیرات آئے

ہیں؟ کیونکہ ہر زمانے کے اپنے مخصوص حالات ہوتے ہیں، جن پر ماضی کے بہت سے اسباق کا انطباق نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا گزری ہوئی معرکہ آرائیوں کے مطالعہ سے پورا فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے جب نہایت احتیاط سے یہ معلوم کرلیا جائے کہ سپہ سالاروں نے اصولوں کا انطباق کس طرح کیا اور اس کے کیا نتائج پیدا ہوئے۔

انسانی ارتقاء کی تاریخ میں متعدد الہامی اور انسانی نظریات متعارف ہوئے، ہر قوم نے اپنے اپنے نظریات (خواہ وہ الہامی ہوں یا انسانی) کے مطابق اپنی اجتماعی زندگی کے اصول متعین کئے۔ انہی میں عسکری اصول بھی ہوتے تھے۔ ان عسکری اصولوں کو یا تو عالمی سطح پر قبول کیا گیا یا اسے مسترد کر دیا گیا۔ اسلام کے پیش کردہ عسکری اصولوں کو نہ صرف عالمی سطح پر قبول کیا گیا، بلکہ اپنے اپنے نام کی تختی لگا کر ہر قوم نے اس کا کوئی نہ کوئی حصہ اپنا لیا۔

عہد نبوی کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور سے ممتاز ہیں، ان میں اکثر دوگنا، تین گنا اور بعض اوقات دس گنا بڑی طاقت سے مقابلہ ہوا، اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح ہوئی۔ مدینہ کی ریاست سے ہونے والی فتوحات کا آغاز ہوا، روز آنہ دوسو چوہتر (۲۷۴) مربع میل کی اوسط سے وسعت اختیار کرتا ہے اور صرف دس سال کے بعد جب رسول اللہ (ﷺ) کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ آپؐ کے زیر اقتدار آچکا تھا۔ ہندستان اور پاکستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں جس میں یقیناً لاکھوں کی آبادی رہی ہوگی، دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے۔ جبکہ مسلمان فوج کا ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوا۔ یعنی ان تمام غزوات میں جملہ ایک ہزار اڑتالیس (۱۰۴۸) افراد کام آئے، جن میں مسلمان شہداء کی تعداد ایک سو پچیس (۱۲۵) اور کفار کے نو سو تئیس (۹۲۳) آدمی قتل ہوئے۔ قیدیوں کی تعداد تقریباً دو ہزار ستر (۲۰۷۰) تھی جن میں بجز چند کے سب آزاد کردئے گئے یہ خون آدم کے احترام کا درخشاں باب ہے۔ (۲)

عہد جدید کی جنگوں کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، نہ صرف نوعیت کے اعتبار سے، تباہ کاریوں کے اعتبار سے، بلکہ نتائج کے لحاظ سے بھی۔ عہد جدید کی جنگوں میں جنگی مقتولوں کی

تعداد لاکھوں اور کروڑوں تک پہنچتی ہے، ان گنت جنگی قیدی بنائے جاتے، جن کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جاتا، املاک تباہ و برباد کر دی جاتی تھیں۔ صرف ہیروشما اور ناگاساکی میں ساڑھے تین لاکھ سے زائد بے گناہ افراد کو موت کے منہ میں اتارا گیا۔ (۳) ایک ایٹم بم کی تباہ کاری سو سالہ اسلامی فتوحات کے مجموعی جانی نقصان سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر آپؐ کی وفات کے بعد صرف پندرہ سال کے عرصے میں تین براعظموں اور تین بحر اعظموں پر مسلمانوں کی حکومت کا قائم ہو جانا، ہمیں عہد نبوی کی جنگوں کے مطالعے کا شائق بنا دیتے ہیں۔

یہاں اسلامی فتوحات کی تفصیلات ہمارا موضوع نہیں۔ بلکہ ہمیں اسلامی فتوحات پر اس زاویہ سے نظر ڈالنی ہے کہ اس کا مسلمانوں کی عقلی اور دینی زندگی سے کہاں تک تعلق تھا۔ اور آیا یہ اسلامی عسکری تعلیمات آج کے دور کے تقاضوں اور ضروریات کو بھی پورا کرتی ہیں یا نہیں۔

قتال بالحق کا مفہوم: ہجرت رسول (ﷺ) کا دوسرا سال تھا کہ ۱۲ رصفر ۲ھ (۴ راگست ۶۲۳) کو قتل بالحق کا حکم نازل ہوا، (۴) تفسیر ابن جریر کی رو سے قتال کے بارے میں پہلی آیت یہ نازل ہوئی

> ''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' (۵)

اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

> ''ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا مقابلہ پیش آئے اور انھیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے، اس لئے کہ قتل اگر چہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا'' (۶)

جہاد لفظ ''جہد'' سے مشتق ہے جس کا مقصد سورۃ بقرہ میں واضح کر دیا گیا کہ:

> ''اگر اللہ بعض لوگوں کے شر و فساد کو، بعض لوگوں کے ہاتھوں سے رفع نہ فرما دیتا تو تمام دنیا میں فساد پھیل جاتا'' (۷)

اصطلاح شریعت میں جہاد کا مطلب یہی ہے کہ اپنی پوری قوت و طاقت کو اللہ کی راہ میں صرف کر دینا۔ مجاہد کا رضائے الٰہی کی خاطر جان وتن کا نذرانہ مرتبہ شہادت ہے۔ لیکن اگر مقصود توسیع مملکت، مال، نام یا اظہار طاقت ہو تو وہ جہاد نہیں بلکہ حرب بن جاتا ہے۔ قرآن میں جہاد کے لئے لفظ ''قتال بالحق'' استعمال ہوا ہے، جس کا اولین مقصد حق کی سربلندی ہے۔ یہ ایک فلاحی حربہ ہے جو نوع انسانی کو شر اور فساد سے بچاتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ قتال نظریات کے خلاف ہوتا ہے، افراد کے خلاف نہیں۔ ہندومت، یہودیت، عیسائیت، اشتراکیت وغیرہ نظریات ہیں۔ مشرک، بت پرست اور ملحد نظریہ اسلام کے کھلے دشمن ہیں، یہود و نصاریٰ کے بارے میں تاریخ شاہد ہے اور جس کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے کہ دو امتیں ہمیشہ فتنہ و فساد اور جبر و ظلم کی ذمہ دار رہی ہیں۔

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> ''اے لوگو! جو ایمان لائے، یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے، تو اس کا شمار پھر انہی میں ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے'' (۸)

آگے چل کر فرمایا۔

> ''دنیا میں تم ایمان والوں کا شدید ترین دشمن یہودیوں اور مشرکوں ہی کو پاؤ گے۔'' (۹)

لہذا جہاد و قتال فرض کر دیا گیا تا کہ دنیا کو شر و فساد سے محفوظ رکھا جا سکے یہ جہاد انبیاء سابقین پر بھی فرض کیا گیا اور رسول اللہ (ﷺ) کی امت پر بھی۔ انبیاء کرام کی تاریخ کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صرف چند رسولوں نے لڑائیاں لڑی ہیں۔ قرآن میں اختصار کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشرکوں سے معرکے کا ذکر ملتا ہے۔

''پھر جب ان (بنی اسرائیل) پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا سب پیٹھ دکھا گئے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے بے خبر نہیں۔''(۱۰)

دوسرے پیغمبر حضرت داؤد ہیں جنہوں نے میدان جنگ میں بنی اسرائیل کے بادشاہ شاہ طالوت کی طرف سے لڑتے ہوئے داد شجاعت دی، قرآن اس کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں کرتا ہے۔

اور جب وہ (مجاہدین) جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل ہوئے تو کہنے، اے پروردگار! ہم کو صبر دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہم کو فتح و نصرت عطا فرما۔ پس اللہ کے حکم سے انہوں نے اُن (فلسطینیوں) کو شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اور اللہ نے داؤد کو حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور جو مناسب جانا وہ سب کچھ سکھایا۔''(۱۱)

اور تیسرے گھمسان کی جنگیں (۱۲) لڑنے والے خاتم النبین رسول اللہ (ﷺ) ہیں، جن کا ارشاد ہے کہ:

''مجھے تلوار دے کر بھیجا گیا یہاں تک کہ تمام عبادت تنہا اللہ ہی کے لئے ہونے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے رکھا گیا ہے۔''(۱۳)

رسول اللہ (ﷺ) کو اپنے ۲۳ سالہ دور نبوت میں کئی بڑی طاقتوں سے سابقہ پڑا، داخلی طور پر عرب کے بت پرست اور مشرک ایک بڑی طاقت تھے۔ دوسری بڑی طاقت یہودیوں کی تھی جن سے مدنی زندگی میں معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ اس کے علاوہ اس دور میں دو سپر پاور بھی تھیں۔ ایک رومن امپائر جن کا بادشاہ قیصر روم کہلاتا تھا، جب کہ دوسری سپر پاور دولت عجم کی تھی، جن کے شہنشاہ کا لقب کسریٰ تھا۔ یہ عراق کے بڑے حصے پر قابض تھے، گویا بت پرست، یہودی

اور عیسائی یہ وہ بڑی طاقتیں تھیں جن کے خلاف مدنی دور (۱۰ سال) میں ۵۶ سرایا، ۲۷ غزوات، اور ۴ قتال ہوئے۔ (۱۴)

سیرت طیبہ کے طالب علم کے لئے تاریخ کی یہ مماثلت بڑی حیرت انگیز ہے کہ جو قوتیں عہد رسالت میں موجود اور برسر پیکار تھیں آج بھی باقی ہیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں سے دست و گریباں بھی ہیں۔ مثلاً عہد رسالت میں عرب کے بت پرستوں نے یہودیوں کے ساتھ مل کر محاذ بنایا اور دونوں طاقتیں کئی دفعہ متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے آپس میں خفیہ معاہدے بھی کئے اور کھلم کھلا جنگی مقابلے بھی۔

بعینہٖ آج بت پرست بھارت، قریش مکہ کی طرح مملکت پاکستان کے نقش وجود کو مٹا دینا چاہتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے اسرائیل سے اس کا گٹھ جوڑ اور سازشی تعلق کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح عہد رسالت کا عیسائی دشمن آج بھی مسلمانوں کے درپے آزار ہے۔ عراق کو تباہ کرنے کا منصوبہ ہو یا لبنان، افغانستان کو، بوسنیا اور کوسوا وغیرہ میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف قیامت صغریٰ برپا کر رکھی ہے۔ عین عرب دنیا کے قلب میں یہود و نصاریٰ کی سازشوں سے ۱۹۴۸ میں اسرائیل وجود میں آچکا ہے اور اس کی چیرہ دستیاں دنیا کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔

چنانچہ جس طرح رسول اللہ (ﷺ) کو قتال بالحق کی ہدایت کی گئی کہ دنیا کو شر و فساد سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اسی طرح یہ فرض آج بھی مسلمانوں پر عائد ہے کہ وہ دنیا کو شر و فساد سے محفوظ رکھنے، اور دشمنان اسلام سے اپنے آپ کو اور اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لئے جہاد کا راستہ اختیار کریں۔ جہاد کی ہدایت کی گئی تو ان کو ضابطہ جنگ اور دفاعی حکمت عملی بھی سکھائی گئی۔ جن میں زمانے کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے لچک بھی پائی جاتی ہے۔ جن پر عمل کر کے کامیابی حاصل کرنا نہ صرف اس دور میں یقینی تھا بلکہ آج بھی یقینی ہے۔ بظاہر یہ بات ماورائے عقل معلوم ہوتی ہے کہ اس دور میں دی گئی ہدایات تیروں، تلواروں، نیزوں اور پتھروں کے لئے تھیں، جبکہ آج کا دور ایٹمی دور ہے جس میں دور مار تیروں کی جگہ میزائل استعمال ہوتے ہیں۔ ایک تیر

ایک شخص کی جان لے سکتا تھا جب کہ ایک میزائل سینکڑوں افراد کی موت بن جاتا ہے۔ پھر آج کل جنگ صرف زمین پر ہی نہیں لڑی جاتی بلکہ فضاء اور سمندر بھی اس کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں۔ جدید ترین ایٹمی ہتھیاروں نے دنیا کو موت کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود بہر حال یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن پاک میں دی گئیں جنگی ہدایتوں اور اصولوں کا اطلاق، آج کی جدید ایٹمی جنگوں پر بھی کیا جا سکتا ہے اور کم وبیش وہی یقینی نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں جو اسلام کے ابتدائی عہد میں حاصل کئے گئے۔

عہد رسالت میں پیش آنے والے غزوات کو اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ تمام کی تمام جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں اور اسلامی نظریہ جہاد وقتال کا عملی نمونہ بھی۔ ان غزوات کو دو واضح حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول: رسول اللہ (ﷺ) کی وہ جنگیں، جو فتح مکہ سے قبل کفار قریش سے تھیں۔ ان میں ہمیں رسول اللہ (ﷺ) کی حکمت عملی مدافعانہ نظر آتی ہے یہ تمام کی تمام جنگیں مسلمانوں اور دین اسلام کے دفاع میں تھیں۔

دوم: رسول اللہ کی (ﷺ) وہ جنگیں جو فتح مکہ کے بعد اس وقت کی سپر پاورز کے خلاف تھیں۔ ان میں اگرچہ رسول اللہ (ﷺ) کا رویہ جارحانہ نظر آتا ہے کہ اب وہ خود پیش قدمی کر کے دشمن کے علاقے تک جاتے ہیں اور ان کو انہی کے علاقوں میں گھیر لیتے ہیں، لیکن نوعیت کے لحاظ سے یہ بھی دفاعی جنگیں ہی کہلائیں گی۔ اسلام کے فلسفہ جنگ کو سمجھنے سے پہلے بہتر ہو گا کہ ظہور اسلام کے وقت مختلف علاقوں اور مذاہب میں رائج جنگی قوانین اور اصولوں سے واقفیت حاصل کر لی جائے۔

دور جہالت کے جنگی قوانین: عربوں میں جنگ کی حیثیت ایک قومی پیشہ کی سی تھی۔ ذرائع معاش کی قلت، ضروریات زندگی کی کمیابی اور اجتماعی نظم وضبط کے فقدان سے عربوں میں جنگجوئی

کی عادت اس قدر راسخ ہوگئی تھی کہ وہ قتل وخون ریزی اور لوٹ مار کو اپنی خصوصیات بلکہ مفاخر میں شمار کرنے لگے تھے۔صدیوں تک شمشیر زنی اور مردم کشی کے کھیل میں مصروف رہنے کی وجہ سے ان کو خونخواری کا ایسا چسکا لگ گیا تھا کہ اب خون ریزی کسی مقصد یا غرض کے لئے نہیں بلکہ مقصود بالذات بن گئی تھی۔(۱۵) قدیم عربوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس دو ذریعے ہیں ایک وہ داستانیں جو ایام العرب کے نام سے اہل عرب میں رائج تھیں، دوسرے شعراء عرب کا کلام جس میں وہ اپنی معاشرت، تہذیب، معاملات اور امیال وعواطف کی صحیح صحیح تصویریں کھینچتے تھے۔مثلاً ابوالغول طہوی کہتا ہے کہ:

''وہ ایسے شہسوار ہیں کہ موت سے نہیں گھبراتے جبکہ شدید جنگ کی چکی چلتی ہے''(۱۶)

وذّاک بن ثمیل المازنی کہتا ہے کہ:

''وہ ایسی قوم ہیں کہ جب لڑائی اپنی کچلیاں نکال کر ان کو ڈراتی ہے تو وہ گروہ در گروہ اور تنہا تنہا اس کے مقابلے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں''(۱۷)

اس قسم کی مثالوں سے عرب کی شاعری بھری پڑی ہے، جو ان کے دور کی جنگی خصلتوں کو ظاہر کرتی ہے۔ان کے لئے جنگ کے محرکات عموماً مال غنیمت کا حصول، احساس تفاخر، اپنے آپ کو زیادہ طاقتور، ممتاز اور معزز ثابت کرنے کے لئے، ہر قسم کے خطرات برداشت کرنے پر آمادہ رکھتا تھا، اس کے علاوہ انتقام ایک ایسا شدید جذبہ تھا جو بار بار جنگوں کی آگ بھڑکا دیتا تھا اور سالہا سال کے لئے خونریزی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مقتول کی روح پرندہ بن کر اڑ جاتی ہے اور جب تک اس کے خون کا انتقام یا بدلہ نہ لے لیا جائے وہ کوہ وبیابان میں اسقونی، اسقونی (مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ) کہہ کر چیختی پھرتی ہے۔ان کی اصطلاح میں اس پرندے کا نام ھامہ یا صداء تھا۔(۱۸)

مقاصد جنگ کی طرح ان کے جنگ کرنے کے طریقے بھی انتہاء درجہ کے وحشیانہ

تھے۔ کسی قوم کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے معنی ان کے نزدیک یہ تھے کہ جس طرح ممکن ہو اس کو مکمل تباہ و برباد اور ذلیل وخوار کیا جائے اور ان کا یہ جذبہ اخلاقی حدود سے نا آشنا تھا۔ جنگ میں مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان کوئی امتیاز نہ تھا، دشمن قوم کے ہر فرد کو دشمن سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ عورتیں، بچے، بوڑھے بیمار کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ دشمن کو ایذا دینے کا حق غیر محدود تھا، زندہ آگ میں جلا ڈالنا، جنگی قیدی بنا کر جانوروں سے بدتر سلوک کرنا، اپنی منت یا قسم پوری کرنے کے لئے سینکڑوں بے گناہ افراد کو آگ کی نذر کر دینا معمولی بات تھی (۱۹) پھر ان کی جنگوں کے سنہرے اصول بھی وحشیانہ ہی تھے مثلاً غفلت میں دشمن پر کاری حملہ کرنا، رات کے وقت حالت خواب میں دشمن پر حملہ کرنا، لاشوں کا مثلہ کرنا اور جنگ کی حالت میں ہر قسم کی بدعہدی کرنا، جائز تھا۔

یہ تو عرب جاہلیت کا حال تھا مگر اس زمانے کی مہذب قوموں کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ قدیم زمانے کی سب سے زیادہ مہذب سلطنتیں دو تھیں۔ ایک روم، دوسرے ایران۔ تہذیب و تمدن، علوم و آداب اور شان و شوکت، ہر اعتبار سے اُس دور کی ممتاز اقوام تھیں۔ مگر ایک دوسرے سے، سب سے زیادہ برسر پیکار رہتی تھیں اس کی وجہ ان کے درمیان سیاسی اختلاف کے ساتھ ساتھ مذہبی اختلافات بھی تھے۔ مذہبی بنیادوں پر انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بہیمانہ اور وحشیانہ سلوک کیا، (۲۰) حد یہ کہ وہ ایک دوسرے کے سفراء کی بھی جان کے درپے ہوتے تھے، عہد و پیمان کے احترام پر حملہ کرنے میں یہ مہذب قومیں چنداں کم حوصلہ نہ تھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی قیاصرۂ روم یا اکاسرۂ فارس نے اپنے دشمن کو نازک حالت میں دیکھا تو معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر اس پر حملہ کر دیا۔

روم اور ایران کا فوجی نظام بھی کچھ اس طرح کا تھا کہ اس میں اخلاقی حدود کی پابندی نہیں ہو سکتی تھی۔ ان میں فوجی تربیت، آداب جنگ کی تعلیم اور عسکری نظم وضبط کے قائم رکھنے کا کوئی بندوبست نہ تھا، جنگ کے موقع پر عام جنگجو باشندوں کا ایک انبوہ اُمڈ کر چلا آتا تھا۔ قتل اور

خون کے کھیل سے وہ صرف اس شوق میں نہ گھبراتے تھے کہ ہمسایہ ملکوں کو لوٹیں، مال و دولت کا حصول، خدمت کے لئے لونڈی وغلام اور عیش کوشی کے لئے خوب صورت لڑکیاں حاصل کریں۔خود ان کے فرماں رواؤں کے سامنے بھی جنگ کا کوئی اخلاقی نصب العین نہ ہوتا تھا۔وہ محض فتوحات اور مال وزر کے نشے میں چور ہوتے تھے۔(۲۱)

یہ تھی وہ دنیا جس میں اسلام نے اصلاح کا علم بلند کیا۔اسلام کا نظریہ یہ تھا کہ جنگ و قتال فی الاصل ایک معصیت ہے جس سے ہر انسان کو اجتناب کرنا چاہئے لیکن جب دنیا میں اس سے بڑی معصیت یعنی ظلم، فتنہ وفساد پھیل گیا ہو تو محض دفع شر وفساد کے لئے جنگ کرنا ضروری ہی نہیں، بلکہ فرض ہے۔اس پاکیزہ تصور کے تحت اسلام نے جنگ کا ایک مکمل ضابطہ قانون وضع کیا جس میں جنگ کے آداب، اس کی اخلاقی حدود، محاربین کے حقوق وفرائض، مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز اور حقوق، معاہدین کے حقوق، سفراء اور اسیران جنگ کے حقوق، مفتوح قوموں کے حقوق، تفصیل کے ساتھ بیان کئے۔

اسلام کا فلسفہ جنگ وقتال: انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے۔اس کی سب سے پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے۔انسان کے تمدنی حقوق میں اولین حق زندہ رہنے کا حق ہے اور اس کے تمدنی فرائض میں اولین فرض زندہ رہنے دینے کا فرض ہے۔دنیا کی جتنی شریعتیں اور مہذب قوانین ہیں ان سب میں احترام نفس کا یہ اخلاقی اصول ضرور موجود ہے۔جس کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے عموماً سزا کے خوف اور قوت کے زور سے کام میں لایا جاتا ہے۔جب کہ ایک سچے مذہب کا کام دلوں میں اس کی صحیح قدر و قیمت پیدا کر دینا ہے تا کہ جہاں سزا اور پولس کا خوف نہ ہو وہاں بھی بنی آدم خون ناحق سے محترز رہیں۔اس نقطہ نظر سے احترام نفس کی صحیح ترین اور موثر تعلیم اسلام کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔

اسلام جس دور تاریک میں اترا اس کی وحشتوں اور خونخواریوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ ایسے تاریک دور میں اسلام نے آواز بلند کی کہ:

لا تقتلوا النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق(۲۲)

یعنی انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر اس وقت جب کہ حق اس کا مطالبہ نہ کرے۔

اس آواز میں قوت تھی، عقل اور فطرت سے مطابقت تھی اس لئے دنیا کے گوشہ گوشہ میں جا پہنچی، اور اس نے انسان کو اپنی جان کی صحیح قیمت سے آگاہ کیا اور افراط اور تفریط کی دو راہوں کے درمیان عدل کی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی۔ ایک طرف وہ مُسرف اور حد سے تجاوز کرنے والا گروہ ہے۔ جو انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا اور اسے اپنی نفسانی خواہشات پر قربان کر دینا جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف وہ غلط فہم گروہ ہے، جو خون کے تقدس اور حرمت ابدی کا قائل ہے اور کسی حال میں بھی اسے بہانا جائز نہیں سمجھتا۔ اسلامی شریعت نے ان دونوں غلط خیالوں کی تردید کی اور واضع طور پر بتایا کہ کب انسانی جان محترم ہے اور کب واجب القتل ہے۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ ایک چیز انسانی جان سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور وہ ''حق'' ہے۔ انسان جب تک حق کا احترام کرتا ہے اس کا خون واجب الاحترام رہتا ہے۔ مگر جب وہ سرکشی اختیار کر کے ''حق'' پر دست درازی کرتا ہے تو اپنے خون کی قیمت خود کھو دیتا ہے۔ پھر اس کا خون پانی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔(۲۳)

یہ قتل بالحق اگرچہ صورت میں قتل بغیر حق کی طرح خونریزی ہی ہے مگر حقیقت میں یہ ناگزیز ہے کیونکہ اس کے بغیر دنیا میں نہ تو امن قائم ہو سکتا ہے نہ شر و فساد کی جڑ کٹ سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو صومعے اور گرجے اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔ مسمار کر دیئے جاتے۔(۲۴)

یہ فتنہ و فساد انفرادی نوعیت کا بھی ہوتا ہے اور اجتماعی نوعیت کا بھی، نوعیت کے اعتبار

سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں لیکن کیفیت کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ افراد کا فتنہ ایک تنگ دائرے میں ہوتا ہے اور انسانوں کی ایک قلیل جماعت کو اس سے آزار پہنچتا ہے۔ مگر جماعتوں کا فتنہ ایک لامحدود مصیبت ہوتا ہے، جس سے بے شمار لوگوں کی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ جماعتیں جب سرکشی پر آتی ہیں تو ان میں شیطانی عوامل بڑی تعداد میں شامل ہو جاتے ہیں اور جب ان شیطانی کاموں کے ساتھ ''اکراہ فی الدین'' بھی شامل ہو جائے اور ظالم جماعت اپنی اغراض کے لئے مذہب کو استعمال کر کے بندگان خدا کو مذہبی آزادی سے محروم کر دے اور ظلم و ستم کرے تو یہ مصیبت اور بھی سوا ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جنگ جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتی ہے، اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان ظالموں کے شر سے اللہ کے مظلوم و بے بس بندوں کو نجات دلائی جائے۔ قتال کے بارے میں قرآن کی سب سے پہلی آیت جو نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انھیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے، اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ہیں۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے'' (۲۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے خلاف جنگ جنگ کا حکم دیا ہے ان کا قصور یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے، وہ تجارت کی ایک بڑی منڈی کے مالک ہیں، یا دوسرے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ بلکہ صاف طور پر بتایا گیا کہ جنگ ان کے خلاف کرنی ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں اور اس قدر متعصب ہیں کہ محض اللہ کو رب کہنے پر تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے مدافعت میں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ کمزوروں اور بے بسوں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑاؤ۔

> ''تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اُن کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں

کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم اور جفا کار ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنی طرف سے ایک محافظ اور مددگار مقرر فرما۔" (۲۶)

ایسی جنگ کو جو ظالموں اور مفسدوں کے مقابلے میں اپنی مدافعت کمزوروں اور بے بسوں کی اعانت کے لئے کی جائے اللہ نے خاص راہِ خدا کی جنگ یعنی جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ جنگ بندوں کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے ہے اور یہی وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کی فضیلت سے قرآن پاک کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اسی کو حق پرستی کی جنگ قرار دے کر کامیابی اور بلند درجات کی نوید دی گئی ہے اور اس سے منہ پھیر کر گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کے لئے سخت تنبیہ بیان کی گئی ہے۔ قرآن پاک لوگوں کو صرف دو راہیں بتاتا ہے موت، یا شرف، زندگی بے شرف کی تیسری راہ اس نے نہیں بتائی اور جو ایمان کی کمزوری یا حوصلہ کی کمی کی وجہ سے اس کو اختیار کرتا ہے تو قرآن اس کی زندگی کو "ذلت" اور "مسکنت" قرار دیتا ہے۔

"جن لوگوں کی روحوں کو فرشتوں نے اس حال میں ضبط کیا کہ وہ خود اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں جی رہے تھے؟ انھوں نے کہا کہ ہم زمین میں کمزور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس جگہ کو چھوڑ کر نکل جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جائے قرار ہے۔" (۲۷)

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سب معاملات میں تحمل اور برداشت کی تعلیم دی مگر ایسے کسی حملے کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دیتا جو دین اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ہو، بلکہ وہ یہاں واضح طور پر قتال بالحق کا حکم دیتا ہے۔ گویا یہ طے ہے کہ یہ تمام جنگیں جن کا حکم دیا جا رہا ہے مدافعانہ جنگیں ہیں۔ ان جنگوں کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی حملے کی صرف یہی صورت نہیں کہ

ایک سلطنت با قاعدہ اعلان جنگ کر کے دارالاسلام پر حملہ کرے۔ اس کے علاوہ بھی کئی صورتیں ہیں جس سے ایک قوم کے امن واطمینان اور اجتماعی زندگی کو خطرے میں ڈالا جا سکتا ہے مثلاً

☆ ظلم وتعدی کے جواب میں جنگ کرنا جائز ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً کوئی براہ راست مسلمانوں پر حملہ کرے۔ مسلمانوں کی جان و مال کو لوٹیں، ان کو بے گھر کریں، یا مذہبی عقائد کو بنیاد بنا کر ان پر تشدد کیا جائے۔ تو مسلمانوں کو ان ظالموں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا۔

☆ صد عن سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستے سے روکنا بھی ایک ایسا جرم ہے جس کے خلاف جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ اس کی بھی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو روکنا، مسلمانوں کو زبردستی مرتد بنانے کی کوشش کرنا، یا اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا دشوار بنا دینا۔ وغیرہ

☆ بدعہدی اور عہد شکنوں کو سخت وعید سنائی گئی قرآن میں صاف حکم آ گیا کہ وہ لوگ جو معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہیں، یا وہ کفار جو مسلمانوں سے اطاعت کا وعدہ کر کے حکومت اسلامیہ کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ ان سے کھلی جنگ ہے۔

☆ ان بیرونی دشمنوں کے علاوہ کچھ اندرونی دشمن بھی ہیں جو ظاہر میں دوست مگر باطن میں اسلام کی جڑ کاٹنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے لئے قرآن نے منافق کا لفظ استعمال کیا اور ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا۔

☆ دشمنوں کی ایک قسم فسادی ہے جو اندر بیٹھ کر یا باہر سے آ کر سلطنت میں فساد پھیلاتی ہے اور امن وامان میں خلل پیدا کرتی ہے۔ ان کے بارے میں قتال کا حکم آیا۔

☆ مسلمانوں کی کوئی جماعت جو اپنی کمزوری یا بیچارگی کے باعث دشمنوں کے پنجہ میں گرفتار ہو جائے تو ایسے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے لئے تلوار اٹھانے کا حکم آیا۔

☆ اور سب سے آخر میں جس مقصد کے لئے حکم قتال دیا گیا وہ یہ ہے کہ اپنی

قوت کو مٹنے سے محفوظ رکھنے کے بعد، اس محفوظ شدہ طاقت کو تمام دنیا سے فتنہ وفساد کے مٹانے اور مفسدوں سے فساد کی قوت چھین کر انھیں نیکی کا تابع بنانے میں استعمال کرو۔

یہ ہے اسلام کا فلسفہ جنگ کہ اسلام کن صورتوں میں جنگ کو جائز اور فرض قرار دیتا ہے اس کے علاوہ جہاں گیری، انتقام، حرص غنیم، یا تفاخر کے لئے کی جانے والی جنگوں کو پسند نہیں فرماتا اور ایسا کرنے والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے۔

پھر مقصد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ طریق حصول مقصد کی بھی اصلاح کی گئی اگر نفس مقصد مکروہ ہو تو خواہ اس کو کتنے ہی شریفانہ طریقے سے حاصل کیا جائے وہ بہر حال مکروہ ہی رہے گا اور اگر مقصد فی نفسہ نہایت اشرف واعلیٰ ہو لیکن اسے حاصل کرنے کے طریقے پایہ شرافت سے گرے ہوئے ہوں تو مقصد بھی داغ دار ہو جائے گا۔ پس ایک جائز اور حق پرستانہ جنگ کی تعریف یہ ہے کہ اس کا مقصد اور طریق حصول مقصد دونوں پاکیزہ، اشرف اور اعلیٰ ہوں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ان تمام وحشیانہ حرکات کو روک دیا جو جاہلیت کی لڑائیوں میں کی جاتی تھیں۔ مثلاً

محاربین کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا:

اول مقاتلین اور دوم غیر مقاتلین۔ مقاتلین کو قتل کرنے کی اجازت دی گئی (ان میں وہ عورتیں بچے یا بوڑھے شامل سمجھے جائیں گے جو جسمانی طور پر شریک جنگ ہوں یا نہ ہوں مگر عملی طور دشمن کا ساتھ کسی نہ کسی طور دے رہے ہوں) مگر غیر مقاتلین کی جان نہیں لی جا سکتی۔ ساتھ ہی مقاتلین کے حقوق بھی متعین کئے گئے اور ان پر غیر محدود دست درازی کا حکم نہیں دیا گیا اور چند چیزوں کی سختی سے ممانعت کی گئی۔ مثلاً

۱) غفلت میں حملہ کرنے کی ممانعت (اس کی معروف شکل شب خون کی ہے)

۲) قیدی بنانے کے بعد قتل صبر (باندھ کر مارنے) کی ممانعت

۳) لوٹ مار کی ممانعت

۴) تباہ کاری کی ممانعت

۵) قتل اسیر اور قتل سفیر کی ممانعت

۶) بدعہدی کی ممانعت

۷) وحشیانہ افعال کی ممانعت (۲۹)

ان اصلاحی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ ۸ سال کی قلیل مدت میں عظیم الشان نتائج سامنے آئے اور ان کا بہترین نمونہ فتح مکہ ہے۔ انہی تعلیمات کو جب خلفائے راشدین لے کر آگے بڑھے تو عظیم الشان فتوحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور کے مفتوحہ علاقے آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی (کم وبیش) مسلمان علاقے ہیں۔ اس کے برعکس دیگر فاتحین اعظم کو دیکھئے تو وہ اپنے پیچھے تباہ کاریوں، خونریزیوں اور انسانی کھوپڑیوں کے مینار تو چھوڑ گئے مگر اپنا یا اپنی قوم کا اثر لوگوں پر نہ چھوڑ سکے۔ ان کے مفتوحہ علاقوں میں آج ان کا نام لیوا کوئی نہیں۔

مسلمانوں کی ان حیرت انگیز عسکری کامیابیوں کے پیچھے انسانی عقل وفہم سے زیادہ الہامی ہدایات بھی تھیں، جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم فرمائیں اسی لئے ان کے اثرات بھی دیرپا اور مکمل تھے۔ حق وباطل کے پہلے فیصلہ کن معرکے غزوہ بدر کے بعد سورۃ انفال نازل ہوئی اس میں مال غنیمت کی تقسیم کے علاوہ دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کی زریں ہدایات بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی کہ:

- ''اور تم لوگ جہاں تک بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے تیار رکھو۔'' (۳۰)
- ''اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔'' (۳۱)
- ''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں۔ ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو یقیناً

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (۳۲)

﴿..... ''اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا اور (اے نبیؐ) اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لئے اللہ ہی کافی ہے۔'' (۳۳)

ان ہدایتوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو وارننگ بھی دی:

﴿..... ''کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔'' (۳۴)

رسول اللہ کی عسکری حکمت عملی: گویا جنگی حکمت عملی بھی اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمائی۔ رسول (اللہ ﷺ) جو مجسم قرآن پاک کی تفسیر تھے، اُن کا قتال بھی انہی حکمتِ عملیوں پر مبنی تھا۔ جنگی حکمت عملیوں کے لئے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اپنے موضوع کی مناسبت سے یہاں غزوات رسول ﷺ کی تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم رسول (اللہ ﷺ) کی جنگی حکمت عملیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔

☆ سب سے پہلی چیز جہاں تک ہو سکے اسباب طاقت جمع رکھنے کا حکم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خطرہ سر پر آ جائے اور تیاری بعد میں شروع ہو، رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

''اور تیار رکھو ان کے لئے جو تم سے ہو سکے، قوت سے آگاہ رہو کہ قوت الرَمی میں ہے''

صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ الرمی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا وہ ہتھیار جسے بہت دور سے دشمن پر پھینک کر اسے نقصان پہنچایا جا سکے (۳۵) عہد رسالت میں ایسا ہتھیار تیر تھا، رسول اللہ (ﷺ) اپنے ہر مجاہد کو ہتھیاروں سے مسلح دیکھنا چاہتے تھے، لہذا اسلحہ اور سامان جنگ

کے مہیا کرنے میں ہر مسلمان ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔

☆ اجتماعی عسکری تربیت (Collective Training) کے بغیر افواج کا جنگ جیتنا ناممکن ہے، لہذا فوجوں کی اجتماعی عسکری تربیت لازمی ہوتی ہے۔ رسول (اللہ ﷺ) نے اس پر عمل کیا اور مسلمانوں کی تربیت اس طرح کی کہ مسلمان ہونے والا ہر شخص اسلامی فوج کا حصہ بن جاتا تھا۔ آپؐ نے ان کی اجتماعی تربیت (Collective Training) کا بھی بندوبست کیا اور غزوہ بدر سے پہلے ہی آپ نے صحابہ کرام کو مختلف سمتوں یعنی ساحل سمندر سے گزرنے والے تجارتی راستے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیاں بسنے والے موثر اور معتبر قبائل اور مکہ مکرمہ اور نجد کے درمیان گزرگاہ پر ایسے مقامات کی طرف جو فوجی نقطہ نظر سے نہایت اہم تھے، عسکری ذمہ داریاں سونپ کر روانہ کیا۔ (۳۶) یہ تمام علاقے پہاڑی، صحرائی، میدانی یا بیک وقت صحرائی اور پہاڑی تھے۔ اس کے علاوہ یہ علاقے آب و ہوا کے لحاظ سے سخت ہونے کے ساتھ ساتھ دشوار گزار تھے۔ ذمہ داریوں کا مقصد جہاں ان کی جسمانی اور معنوی تیاری تھا وہاں مختلف موسموں اور علاقوں میں سپاہ کی اجتماعی تربیت بھی مقصود تھی تاکہ بوقت ضرورت جغرافیائی تغیر و تبدل ،حصول مقصد کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں چنانچہ یہی لوگ بعد میں سرحدات ہند سے لے کر مراکش تک گئے اور مختلف النوع جغرافیائی تبدیلیوں میں اپنے آپ کو آسانی سے ڈھالتے گئے، ان کے عقیدے کی پختگی اور جسمانی تربیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک غیر مسلم نے کہا تھا کہ

''یہ لوگ راتوں کے عبادت گزار اور دن کے وقت شاہسوار ہیں۔''

☆ میدان جنگ میں اترنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ دشمن کے مکمل کوائف اور معلومات حاصل کر لیتے تھے تاکہ جنگ کے لئے مناسب منصوبہ بندی کی جائے۔ آپ کا طریقہ کار یہ تھا کہ طلایہ گرد دستہ (Reconnaissance Squads) ترتیب دیتے جو مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دشمن اور حلیف قبائل کی صلاحیتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے۔ ضرورت پڑنے پر یہ دستے Fighting Patrol کا کام دیتے۔ رسول مقبول ﷺ کی یہ سنت

تھی کہ آپؐ ایک ذریعہ سے حاصل شدہ معلومات کی تصدیق دوسرے ذریعہ سے ضرور کرلیا کرتے تھے تاکہ کسی غلطی کا احتمال نہ رہے اور موصولہ معلومات کی بھی تصدیق ہوسکے۔ (۳۷)

☆ ہادی برحق ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی ایسی تربیت کی تھی کی مسلمانوں کی عسکری منصوبہ بندی کی کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔ آپ بعض معاملات میں صحابہؓ سے مشورہ کرتے مگر بعض معاملات کو عام صحابہؓ سے پوشیدہ رکھتے، یہاں تک کہ اسلامی افواج کی تحریک سے بھی یہ اندازہ نہ ہوتا کہ کس جانب کا ارادہ ہے۔ ''توریہ'' (۳۸) کی ایسی مثالیں کئی مواقع پر نظر آتی ہیں۔ عسکری رازوں کی حفاظت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خفیہ خط کا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ مختلف مرحلوں کی حکمت عملی کو پوشیدہ رکھا جائے۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش کو دیا جانے والا خط جس کے متعلق انھیں ہدایت کی گئی تھی کہ دو دن کے بعد کھولیں، اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ رازداری ناگہانی حملوں کے عوامل میں سب سے بڑا اور اہم عامل ہے۔ آپؐ افواج کی تحریک کو اس قدر پوشیدہ رکھتے تھے کہ بسا اوقات دشمن کے سر پر پہنچ جاتے مگر ان کو خبر تک نہ ہوتی۔ فتح مکہ، غزوہ دومۃ الجندل اور غزوہ خیبر وغیرہ اس کی مشہور مثالیں ہیں۔

☆ ایک کامیاب قائد کی بہت بڑی خوبی ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کو ایسی جگہ لڑنے پر مجبور کرے جہاں دشمن کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کئے جاسکیں اور دشمن کو ان فوائد سے محروم کردیا جائے۔ عہد رسالت کی تمام جنگوں میں یہی اصول کارفرما نظر آتا ہے۔ بدر کے موقع پر میدان جنگ میں پہلے پہنچ کر مناسب جگہوں پر قبضہ کرکے دشمن کو جنگی سہولتوں سے محروم کردینا، احد کے موقع پر پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھ کر صف بندی کرنا اور اپنی پشت محفوظ کرلینا، جس طرف سے دشمن حملہ کرسکتا تھا وہاں پہلے ہی تیراندازوں کو مقرر فرمادیا، اسی طرح غزوہ احزاب کے موقع پر مدینہ کے اطراف کھدی ہوئی خندق دیکھ کر ابوسفیان حیرت اور غصے سے چیخ اٹھا تھا، کیونکہ اسے رسول اللہ (ﷺ) کی اس جنگی حکمت عملی کے سامنے اپنی عبرت ناک شکست صاف نظر آرہی تھی۔ اسی کو جنگی اصطلاح میں ''پہل کاری'' یا (Initiative) کہتے

ہیں۔(۳۹)

☆ ساتویں صدی کے اوائل تک میدان جنگ میں باقاعدہ صف بندی کا رواج نہیں تھا خود عرب کے اندر بھی منظم صف بندی کا تصور تک نہ تھا۔رسول اللہ (ﷺ) نے پہلی دفعہ فوج کو تین حصوں یعنی میمنہ، میسرہ اور ساقہ (Reserves) میں تقسیم کیا اور تینوں حصوں کے مابین رابطے کے لئے اونٹنی سوار مقرر کئے جو رسول اللہ (ﷺ) کی ہدایات ان تک پہنچاتے ،اور یہ تینوں حصے دوران جنگ مرکز سے ملنے والی ہدایات کے مطابق ایک دوسرے کو مناسب مدد پہنچاتے رہے۔(۴۰) ماہرین فنِ حرب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صف بندی اس امر کی ضمانت ہے کہ صف بندی سے احتیاطی طاقت سپہ سالار کے ہاتھ میں رہتی ہے جس سے وہ غیر متوقع صورتحال کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

☆ فوجی اصطلاح میں اچانک پن (Surprise) سے مراد یہ ہے کہ دشمن کو ناگہانی طور پر اس طرح گھیر لیا جائے کہ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملے۔میدان جنگ میں دشمن کو اچانک پن سے دوچار کرنا اعلیٰ درجہ کی قیادت، نظم وضبط اور اطاعتِ احکام کا مرہون منت ہوتا ہے۔پیغمبر اسلام ﷺ کی جنگی حکمت عملی میں اچانک پن کو بہت اہمیت حاصل تھی، اس کے حصول کے لئے جہاں دشمن کے متعلق صحیح معلومات ضروری ہوتی ہیں وہیں افواج کی سریع الحرکتی کو بھی بہت دخل ہوتا ہے۔(۴۱) سریع الحرکتی اور اچانک پن کی سب سے بہترین مثال فتح مکہ ہے کہ جب اسلامی افواج دشمن کی توقع کے برعکس اچانک بطن مکہ میں پہنچ گئیں تو کفار مکہ کے اوسان خطا ہو گئے۔کتب حدیث میں ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ کے مکالمے نقل کئے گئے ہیں جس سے عیاں ہوتا ہے کہ اس اچانک پن کے نتیجے میں لوگوں کو یہ بھی سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کیا کریں اور کدھر جائیں۔یہ تو ایک مثال تھی اس طرح کی مثالیں اسلامی تاریخ میں بہت ملیں گی۔مثلاً غزوہ خیبر، غزوہ دومۃ الجندل یا بنولحیان پر حملہ وغیرہ (۴۲)۔

☆ اسی طرح فوجی زندگی میں رات کے سفر کی بہت اہمیت ہے دشمن سے اپنی

افواج کی نقل وحمل، پوزیشن اور منصوبے چھپانے کے لئے اور دشمن کو اچانک پن سے دوچار کرنے کے لئے رات کے وقت افواج کی نقل وحرکت سے مطلوبہ نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حاصل کئے۔

☆ میدان جنگ میں بدلتی صورتحال کے پیش نظر اگر اپنے منصوبوں میں مناسب تبدیلی نہ کی جائے تو دشمن کا پلہ بھاری ہوسکتا ہے اور وہ کسی بڑے نقصان سے دوچار کرسکتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے منصوبوں میں بھی لچک پزیری نظر آتی ہے اور ایسے واقعات نظر آتے ہیں کہ جیسے ہی صورتحال تبدیل ہوتی اسلامی افواج کے منصوبے کو اسی کے مطابق ڈھال دیا جاتا تھا اور یوں اپنے آپ کو بڑے نقصان سے محفوظ کرلیا جاتا۔ اس کی مثالیں غزوہ احد، غزوہ حنین اور غزوہ طائف سے دی جاسکتی ہیں۔ (۴۳)

☆ اپنی اور دشمن کی افواج کی نفسیات پر عبور رکھنا، سپہ سالار کی اضافی صلاحیت ہوتی ہے۔ اپنی افواج کے Morale کو بلند رکھنا، سپاہیوں کا ہر حال میں وفادار رہنا، اور اپنی افواج کو ذہنی اور جسمانی طور پر اپنے طابع رکھنا، عموماً سپہ سالار اس میں کامیاب رہتے ہیں، مگر صلاحیت تو یہ ہے کہ دشمن کی افواج پر ایسے نفسیاتی حملے کئے جائیں کہ اس کی عسکری صلاحیتیں متاثر ہوں اور میدان جنگ اپنے ہاتھ رہے۔ مثلاً

الف۔ کم تعداد کے باوجود دلیرانہ میدان جنگ میں پہلے سے پہنچ جانا گویا آپ کے پاس زیادہ قوت وطاقت ہے اور حوصلے بلند ہیں۔

ب۔ دشمن کی صفوں میں ایسے عناصر سے رابطہ جو شدت پسند نہ ہوں اور دشمن کو حملے سے باز رکھیں۔

ج۔ ایک وقت میں ایک ہی دشمن سے مقابلہ کرنا۔ اور کوشش کرنا کہ دشمن کے حلیف اس جنگ سے دور ہی رہیں اس کے لئے عموماً معاہدات سے کام لیا جاتا ہے۔

د۔ دشمن کو خوف میں مبتلا کرنا اور موقع ملتے ہی دور تک تعاقب کرنا۔ اور اس کی حوصلہ

شکنی کر کے دوسرے حملہ سے خود کو محفوظ رکھنا۔

گوریلا کارروائیاں بھی دشمن کو رعب میں لے آتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس افرادی قوت کم تھی مگر ان کی گوریلا کارروائیوں نے دشمن کو رعب اور خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔

شریعت اسلامیہ نے جنگ کے عملی پہلوؤں میں سے کسی پہلو کو بھی ایک مضبوط قانون سے منضبط کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ اس نے جنگ اور متعلقاتِ جنگ کے متعلق نئے مہذب قوانین وضع کئے۔ تو کچھ پرانے طریقوں کو وقت کی روح کے لحاظ سے ایک بدلی ہوئی شکل میں اگر باقی رکھا تو بھی اُن کے اندر بتدریج اصلاح پزیری کی ایسی لچک پیدا کر دی کہ زمانے کی ترقی اور حالات کے تغیر اور انسانی افکار کی نشوونما کے ساتھ ساتھ ان میں خود بخود اصلاح ہو جائے، اسی طرح کچھ نئے اصول بھی وضع کئے، جن میں ترقی کی صلاحیت رکھ دی کہ ہر زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے ان سے فروعی اور جزئی احکامات نکالے جاسکیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ہم اصل ماخذ یعنی قرآن کریم اور احادیث نبوی کی طرف رجوع کریں، اور ان میں جو اصول وفروع موجود ہیں ان سے اپنی آج کی ضروریات کے مطابق ایک ضابطہ قانون مدون کرلیں۔ (۴۴) اس کی ضرورت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب جدید ذہنوں میں اس قسم کے سوالات اٹھنے لگیں، ''آج صدیوں کی ترقی کے بعد جنگ کے متعلق جو نئے نئے قوانین وجود میں آگئے ہیں اور انسانی افکار میں جو بلوغ پیدا ہو گیا ہے اس کا اس عہد کے قوانین وافکار سے کیا مقابلہ ہوسکتا ہے۔ جب کہ انسان کے قوائے فکر نسبتاً سفلی حالت میں تھے۔

ایسے سوالات کے جواب کے لئے ضرورت ہے ایسے تقابل کی جو اسلام اور تہذیب جدید کا ہو، اور یہ متعین کرے کہ جنگ کے متعلق کس کے مقاصد ومناہج زیادہ صحیح، زیادہ مفید، مضبوط اور مؤثر ہیں۔

ایک مسئلہ میں کسی انسانی جماعت کے عقائد اور طریقہ کار کا حاصل عموماً تین چیزوں سے

معلوم ہوتا ہے، مذہب، ادبیات، اور سوسائٹی کا طرز عمل، جہاں تک مذہب کا تعلق ہے تہذیب جدید نے اسے افراد کا شخصی معاملہ بنادیا ہے اور موجودہ زمانے کی تمدنی زندگی کے معاملات پر اس کا کوئی قابو نہیں ہے، جہاں تک ادبیات کا تعلق ہے بلاشبہ ان کا ایک بہت جداذ خیرہ مغرب میں موجود ہے۔ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے مصنف کو بھی یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ اس کا کوئی قول اس کی قوم کے لئے قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ اس کے اقوال سے متاثر ہو کر اس کی قوم نے اپنے لئے بہت سے قوانین بنائے ہوں۔ (۴۵) اور ان پر عمل شروع کر دیا ہو، یہی سوسائٹی کا طرز عمل کہلائے گا۔ جس کی ایک مثال میکیاویلی کی ہے۔

میکیاویلی تیرہویں صدی کا ایک ماہر سیاسیات تھا۔ جس نے سیاسی اخلاق کا ایک نیا مجموعہ تیار کیا۔ جس کی بنیاد سیاسی مصلحت Reason of State پر رکھی۔ اس کی تعلیمات انسانی فطرت کے بہت ہی پست تصور پر مبنی ہیں۔ انسان شاید ایک حد تک ایسا ہی ہے جیسا کہ میکیاویلی کو نظر آتا ہے: ''ناشکرا، دھوکے باز اور حریص''

> میکیاویلی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اخلاقیات کے اصولوں کی سیاسی زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔ لہٰذا چالبازی، دغا، فریب کے ہر ہتھیار سے سیاست میں کام لینا چاہئے۔ یہی کامیابی ہے۔ اس کے نزدیک اگر ریاست کی زندگی اور موت کا سوال ہو اور عام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھنے سے کام نکل رہا ہو تو ایسا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ یہی ایک اصول ہے جس کی پابندی فرض ہے۔ (۴۶)

میکیاویلی کے دیئے گئے نظریات پر آج کی تمام تمدن قومیں گامزن ہیں، خواہ وہ اسے کتنا ہی برا کیوں نہ سمجھتی ہوں، ان کی ادبیات میں اس کی مخالفت میں کچھ مہذب اصول لکھے ہوئے ہیں، مگر عملاً میکیاویلی کے ہی نظریات اس وقت سب سے زیادہ مقبول ہیں۔

میکیاویلیت سولہویں صدی کے سیاسی ماحول کی پیداوار تھی، اور اس صدی میں وہ عام

شباب میں تھی، بعد میں گو پاپائے روم نے اسے ممنوع کتابوں کی فہرست میں داخل کیا، مگر سولہویں صدی کے پوپ اس کتاب کے اصولوں پر اسی طرح گامزن رہے جس طرح دوسرے دنیاوی حکام۔ مکیاویلی بدنام ضرور ہوا، مگر حکمرانی اور حکمرانی حاصل کرنے کے جو گر اس نے بتائے تھے، اکثر حکمراں انہی پر عمل کرتے رہے۔ (۴۷)

انیسویں صدی آئی تو مکیاویلی کو خاص طور سے اطالیہ میں ایک نئے نقطہ نظر سے دیکھا جانے لگا، اطالیہ میں اتحاد اور آزادی کی تحریک اٹھی تو اس کے ابتدائی علم برداروں میں مکیاویلی کا نام شمار ہوتا تھا، بعد ازاں جرمنی میں اس کے مداح پیدا ہوئے اور ہوتے ہوتے اس کی تعلیمات اتنی مقبول ہوگئیں کہ آج تک حکمراں اسی پر کاربند رہیں۔ (۴۸)

اسلام کی تعلیمات وقت کے ساتھ ساتھ بھلائی جانے لگیں، جدیدیت کے نام پر سب مغرب کے پیچھے چل پڑے تو مکیاولیت کے اثرات مسلمانوں پر بھی پڑنے لگے۔ جس کا خمیازہ مسلمانوں نے بار بار بھگتا، زیادہ دور کی بات نہیں کہ جب واحد سپر پاور نے عراق کی سرزمین کو ہوائی حملوں سے تباہ کر دیا (کیا وہاں کے حکمراں مکیاولیت کے اصول پر کاربند نہ تھے) پھر یہی سپر پاور افغانستان میں مجاہدوں کے جوش ایمان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئی۔ اس جہاد نے ایسی ضرب لگائی کہ ملحد سویت یونین کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا، اور چھ مسلم ریاستیں، تاجکستان، ترکمانستان، کرغیزیہ، قاذقستان، آذربائیجان اور ازبکستان، اشتراکی چنگل سے آزاد ہوگئیں۔ (۴۹) دوسری مثال ہمارے سامنے لبنان پر اسرائیل کا حالیہ حملہ ہے، اتنے شاندار اور جدید ہتھیار، جذبہ ایمانی کے سامنے رنگ نہ لا سکے۔ خود پاکستان پر بھارت کا ۱۹۶۵ء کا حملہ بھلایا جا سکتا ہے۔ نوزائیدہ اسلامی ریاست پر کفار کا حملہ، کیا غزوۂ بدر کی طرح یہاں بھی غیبی امداد مسلمانوں کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ صرف ایک جذبہ جہاد اور جوش ایمانی جب مسلمانوں کو آج تک اللہ کی مدد سے سرفراز رکھتی ہے، تو اگر مسلمان رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمت عملیوں پر عمل پیرا ہو جائیں اور غزواتِ رسول ﷺ سے سبق حاصل کر لیں تو کیا وجہ ہے کہ مسلمان ایک بار پھر دنیا کی

واحد سپر پاور نہ بن سکیں۔

گزشتہ سطور میں قرآنی احکامات برائے جنگی حکمت عملی کے طور پر لکھے جا چکے ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستانی افواج اپنے لئے چند اسباق اخذ کر سکتی ہے۔ مثلاً:

سب سے اولین مقصد یہ ہونا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ اسباب جنگ مہیا رکھا جائے کہ یہی پہلا حکم قرآنی ہے کہ موجودہ حالات میں اسباب درج ذیل ہیں۔

☆..... مستقل فوج جو ہر وقت الرٹ رہے۔

☆..... مختلف جغرافیائی ماحول میں مکمل عسکری تربیت اور جنگی مشقوں کا تسلسل۔

☆..... اسلحہ و بارود کی خود کفالت، تاکہ توازنِ قوت برقرار رکھا جا سکے۔

☆..... دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لئے اسلحہ کی نمائش، آج کی اصطلاح میں اسلحہ برائے امن۔

☆..... ایٹمی پلانٹ میں مہارت کہ آج کے دور میں طاقت کا توازن اسی طرح برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

☆..... عقب پر چھاونیوں کا انتظام، جس میں ریزرو فوج موجود رہے، جو بوقت ضرورت کام آئے۔

☆..... دشمن کی صفوں میں جاسوسی کا نظام، تاکہ دشمن کی چالوں سے آگاہ رہا جا سکے۔

☆..... جنگی منصوبہ سادہ اور لچک دار ہو۔

☆..... محاذ جنگ کو زیادہ نہ پھیلایا جائے تاکہ کنٹرول ممکن ہو۔

☆..... ہو سکے تو ایک وقت میں صرف ایک ہی دشمن سے مقابلہ کیا جائے، چاہے اس کے لئے دیگر ممالک کے ساتھ معاہدات کرنے پڑیں۔

☆..... فوج کی نقل و حرکت کے لئے رات کا وقت مقرر کیا جائے اور اسلحہ کی نقل و حرکت کے لئے بھی رات کا وقت مناسب ہے۔

☆ ..... دشمن کو دفاعی لحاظ سے اقوام عالم سے علیحدہ کرنے کے لئے دیگر ممالک کے ساتھ دفاعی اور اقتصادی معاہدے کئے جائیں تا کہ دشمن کو دفاعی موقف اختیار کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔

☆ ..... عین حالت جنگ میں نفسیاتی جنگ کے تمام حربے استعمال کئے جائیں اور اس دوران دشمن پر دباؤ رکھا جائے تا کہ اسے زیادہ سے زیادہ نقصان سے دوچار کیا جا سکے۔(۵۰)

یہ ہیں وہ تعلیمات جن پر عمل کر کے آج کے دور میں بھی وہی نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں جو عہد رسالت میں حاصل ہوئے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

حواشی وحوالہ جات

۱۔ War affice traning Regulation p:23, Landon 1934، بحوالہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ (کراچی ۱۹۸۲ء) ص ۶

۲۔ عہد نبوی ﷺ کے میدانِ جنگ، ص ۸

۳۔ شاہ مصباح الدین شکیل، رسول اللہ ﷺ کی دفاعی وعسکری حکمت عملی، مشمولہ ششماہی السیرۃ، شمارہ ۳، جون ۲۰۰۰

۴۔ محمد اشرف شاہین قیصرانی، لیفٹننٹ کرنل محمد گل نواز، رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمت عملی، مشمولہ ششماہی السیرہ، شمارہ ۱۲، اکتوبر ۲۰۰۴ء

۵۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۰

۶۔ القرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۱۹۱

۷۔ القرآن، سورۃ البقرہ، ۲۵۱

۸۔ القرآن، سورۂ مائدہ، آیت ۵۱

۹۔ القرآن، سورۂ مائدہ، آیت ۸۲

۱۰۔ القرآن، سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۶

۱۱۔ القرآن، سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۰، ۲۵۱

۱۲۔ رسول اللہ ﷺ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ''رسول ملاحم'' بھی ہے، جس کے لغوی معنی ہیں ''جنگ لڑنے والا'' عربی میں **الملحمة** کے معنی میں، گھسان کی جنگ کا موقع'' لہٰذا اس کے معنی ''گھسان کی لڑائی لڑنے والا'' بھی کہے جاتے ہیں۔

۱۳۔ مسند احمد، بیروت، ۱۹۹۳ء، ج ۲، ص ۱۴۷،

۱۴۔ حاشیہ صحیح مسلم، مع شرح نوری، ج ۵، ص ۱۰۶، مترجم: خالد وحید زمان، لاہور

۱۵۔ ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی السلام، لاہور، جون ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۱

۱۶۔ ایضاً، ۱۸۴

۱۷۔ ایضاً ۱۸۲

۱۸۔ ایضاً ۱۹۴

۱۹۔ جنگ اوازہ کا واقعہ مشہور ہے کہ بنی شیبان کے جتنے اسیر منذر بن امراؤ القیس کے ہاتھ آئے ان سب کو اس نے کوہ اوارہ کی چوٹی پر بٹھا کر قتل کرانا شروع کیا، اور کہا کہ جب تک ان کا خون نامہ کر پہاڑ کی جڑ تک نہ پہنچ جائے گا قتل کا سلسلہ بند نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ مقتولوں کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کر گئی تو مجبوراً اس نے منت پوری کرنے کے لئے خون پر پانی ڈلوایا اور وہ بہہ کر پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گیا۔ (ابن اثیر، ج ۱، ص ۴۰۹)

۲۰۔ مذہبی مظالم سے کتابیں بھری ہوئی ہیں، گبن نے اپنی تصنیف میں ان کا تذکرہ کیا

ہے۔ مثلاً ایک دفعہ جب خسرو پرویز نے قیصر ماوریس کا بدلہ لینے کے بہانے سے سلطنت روم کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو اپنے حدود مملکت میں مسیحیوں کے مکیسا مسمار کرادیئے، نذر کے اعدال لوٹ لئے، اور صلیب پرستوں کو آتش پرستی پر مجبور کیا۔(Gibbon, Roman Empire, vol:v, ch:xlvi)

۲۱۔ مودودی، جہاد فی السلام، ص ۲۱۰

۲۲۔ القرآن، سورۃ الفرقان، آیت ۶۸

۲۳۔ مودودی، جہاد فی الاسلام، ص ۳۲

۲۴۔ القرآن، سورۃ الحج، آیت ۴۰

۲۵۔ القرآن، سورۃ الحج، آیت ۳۹، ۴۰

۲۶۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۷۵

۲۷۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۹۷

۲۸۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: ''الجہاد فی الاسلام''

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ القرآن، سورۃ انفال، آیت ۶۰

۳۱۔ القرآن، سورۃ الصف، آیت ۴

۳۲۔ القرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۴۵، ۴۶

۳۳۔ القرآن، سورۃ انفال، آیت ۶۰، ۶۱

۳۴۔ القرآن، سورۃ انساء، آیت ۱۰۲

۳۵۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ

۳۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ ﷺ

۳۷۔ ان کی معلومات کے لئے دیکھئے: ''البدایۃ النہایۃ'' ج ۳، ص ۳۶۴، ۳۶۵،

امام بیھقی ابوبکر احمد بن حسین، دلائل النبوۃ، ج۳، ص ۳۱۵

۳۸۔ توریہ سے مراد ایسی فوجی کاروائی یا نقل وحرکت ہے جس کی وجہ سے دشمن اصل منصوبے سے آگاہ نہ ہوسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے پیش قدمی کے وقت عموماً مروجہ راستے سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کیا، جس کی وجہ سے خود صحابہ کرامؓ بھی آگاہ نہ ہوتے تھے کہ کہاں کا ارادہ ہے۔

۳۹۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمت عملی، ص ۲۹۴

۴۰۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بھاولپور، ص ۲۶۴

۴۱۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمت عملی، ص ۲۹۳

۴۲۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر، نیز ابن ہشام، عبدالملک، السیرہ النبویہ، ج ۲، (بیروت، ۱۴۷۱ھ)

۴۳۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر حمیدہ اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ۔

۴۴۔ مودودی، جہاد فی الاسلام، ص ۳۲۲، ۳۲۳

۴۵۔ ایضاً، ص ۴۶۰

۴۶۔ نکولو مکیاولی، بادشاہ، مترجم محمود حسین، ص ۱۰، تا ۱۲، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، ۱۹۸۵ء،

۴۷۔ ایضاً، ص ۶۴،

۴۸۔ ایضاً، ص ۷

۴۹۔ دفاعی و عسکری حکمت عملی، ص ۱۷۶

۵۰۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمت عملی، ص ۳۰۴،

اسکیم برائے تبادلہ مجلّہ واشتہار

بے شمار خطوط مجلّہ کے اعزازی اجراء کے سلسلہ میں موصول ہوتے ہیں جس کی تعمیل ممکن نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ مجلّہ بہت ضخیم ہوتا ہے جس پر کافی اخراجات ذاتی تنخواہ سے ادا کئے جاتے ہیں

لہٰذا مجلّہ حاصل کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ اپنا مجلّہ جاری کردیں ہم تبادلہ میں اپنا مجلّہ ارسال کریں گے

دوسری صورت تبادلہ اشتہار کی ہے

آپ ہمارے مجلّہ میں موجود ''مختصر تعارف علوم اسلامیہ'' کا اشتہار اپنے مجلّہ میں شایع کردیں اور اس کی ایک کاپی ہمیں ریکارڈ کیلئے ارسال فرمادیں ہم بھی آپ کے ارسال کردہ مجلّہ کا اشتہار (بلیک اینڈ وائٹ) بلا معاوضہ اپنے مجلّہ میں شائع کردیں گے۔

واضح رہے ہمارا مجلّہ ویب سائٹ پر بھی جاری کیا جاتا ہے اور دنیا بھر میں مفت مطالعہ کیا جاتا ہے۔